International Research Journal of Arabic and Islamic Studies, Vol.:03, Issue: 01, Jan-Jun 2023
pp:306 - 332

OPEN ACCESS
IRJAIS
ISSN (Online): 2789-4010
ISSN (Print): 2789-4002
www. irjais.com

مغربی اخلاقی اقدار کے مسلم معاشرے پر اثرات

Effects of Western Moral Values on Muslim Society

Muhammad AbuBakar
M.Phil. Scholar, Minhaj University Lahore, Pakistan
(faizi9423@gmail.com)
Nabvi Shaheen
Bs Islamic studies, University of the Punjab

Abstract

The dominance of liberal democracy and capitalist civilization on the world stage has exposed the godless culture of the West to the world through education and especially the mass media. Unfortunately, Pakistan too could not be safe from it. Those few people who were putting up defensive fronts against this cultural invasion are getting weaker in front of the modern trends of education. These few members of the society can resist in their individual lives and families, but it does not seem possible to stop the growing steps of liberalism in the streets, markets, neighborhoods, cultural centers and educational institutions, even knowingly or unknowingly the standards of the West. The standards of the society are becoming the result of this trend of modernity that what meets the standards of the West is considered to be proud. Those that do not meet this standard are rejected. Although the claim to be free continues with full force in its place, but in reality mental slavery and subjugation is a concrete reality. The paper presents an analysis of the impact of Western values on Muslim society.

Keywords: democracy, civilization, liberalism, cultural

تعارف موضوع

عالمی سطح پر لبرل جمہوریت اور سرمایہ دارانہ تہذیب کے غلبے نے تعلیم اور خاص طور پر ذرائع ابلاغ کے ذریعے مغرب کی بے خدا ثقافت کو دنیا بھر میں روشناس کروایا ہے۔ بد قسمتی سے پاکستان بھی اس سے محفوظ نہیں رہ سکا۔ وہ گنے چنے افراد جو اس تہذیبی یلغار کے خلاف دفاعی مورچوں پر ڈٹے ہوئے تھے ان کی مدافعت تعلیم کے جدید رجحانات کے سامنے کمزور پڑتی چلی جارہی ہے۔ معاشرے کے یہ چند افراد اپنی انفرادی زندگی اور خاندان میں تو مزاحمت کر سکتے ہیں لیکن گلی، مارکیٹ، محلے، ثقافتی مرکز اور تعلیمی اداروں میں لبرل ازم کے بڑھتے قدموں کو روکنا ممکن نظر نہیں آتا حتی کہ دانستہ یا نادانستہ طور پر مغرب کے معیار ہی معاشرے کے معیار بنتے چلے جارہے ہیں تجدد کے اسی رجحان کا نتیجہ ہے

کہ جو چیز مغرب کے معیار پر پوری اترے وہ قابل فخر قرار پاتی ہے۔ جو اس معیار پر پوری نہ اترے ٹھکرا دی جاتی ہے۔ اگرچہ آزاد ہونے کا دعوی اپنی جگہ پورے زور و شور سے جاری ہے مگر فی الواقع ذہنی غلامی اور محکومی ایک ٹھوس حقیقت ہے۔ مقالہ ھذا میں مغربی اقدار کی مسلم معاشرے پر اثرات کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

موجودہ نظام تعلیم نے پاکستان کے نوجوان کو اس طرح ہدف بنایا ہے کہ وہ کسی حد تک تھوڑی سی معلومات تو اکٹھی کر لیتا ہے یا چند مہارتیں سیکھ جاتا ہے مگر اپنی روایات اقتدار اور تہذیب سے یوں کٹ جاتا ہے جیسے کوئی اپنا حافظہ کھو بیٹھے۔ وہ مغرب کی پوری فکر کو قبول نہ بھی کرے اسلامی تہذیب کی بہت ساری خوبیاں اس کے اندر سے مفقود ہو جاتی ہیں۔ گویا تبدیلی کے اس عمل میں نظام تعلیم ہی لبرل ازم کے فروغ کی بنیاد بنا۔

ایرانی سکالر سید حسین نصر لکھتے ہیں:

> "اٹھارویں صدی میں مغرب کی مادہ پرستی، فوجی اور سیاسی غلبے کو محسوس کر کے بعض مسلمانوں کا ایمان اپنی تہذیب اور اپنے اداروں پر متزلزل ہو گیا۔ ان میں سے بعض تجدد پسندوں نے جدیدیت اختیار کرنے کی کوشش کی۔ وہ چاہتے تھے کہ تہذیب کے تمام مظاہرات کو مغربی رنگ میں رنگ دیا جائے۔ تعلیم سے لے کر موسیقی تک، بس عقائد اور عبادت کا حصہ محفوظ رکھا جائے۔ بعض افراد نے مذہب کی تجدید بھی کرنے کی کوشش کی مگر بہت کم کامیابی ہوئی۔ انہوں نے مغربی لباس، فن تعمیر، نہری منصوبہ بندی ادب، موسیقی، تعلیم اور دوسرے عناصر جن سے کسی تہذیب کی تشکیل ہوتی ہے ان سب میں مغرب کی نقل اتارنی شروع کر دی۔ ذہنی اور فکری سطح پر انہوں نے بڑی سرعت کے ساتھ مغربی افکار و تصورات کی تقلید شروع کر دی انہوں نے انیسویں صدی میں رائج فکری نظریات کو اختیار کر لیا۔ جسے ترقی پسندی کہتے ہیں آج ترقی پسندی کا چلن مغرب کے دانشور طبقہ میں ختم ہو چلا ہے۔ خود مسلمانوں میں کتنے ہیں جو ابھی تک اس کے پرستار بنے ہوئے ہیں۔"[۱]

عصر حاضر میں بالخصوص ذرائع ابلاغ کے ذریعہ آزاد کلچر کا تصور، عورتوں کی آزادی کی تحریک، تفریحی پروگراموں میں پاپ میوزک کا فروغ، اولڈ ہوم کا تصور، فحاشی و عریانی کا فروغ، مادیت پرستی، خاندانی نظام میں بگاڑ، نظام تعلیم اور تربیت پر مغربی اخلاقی اقدار کے اثرات نمایاں ہیں۔ زیر بحث فصل میں مغربی اخلاقی اقدار کے مسلم معاشرے پر اثرات کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔

3۔ تحریک نسواں پر مغربیت کے اثرات:

مسلمانوں کے زوال سے اور مغرب کے تہذیبی غلبے اور یلغار سے عورت کی حیثیت اور عورت کے بارے میں افکار میں تبدیلی آتی چلی گئی۔ مغربی اقوام اپنے توسیع پسندانہ عزائم کے ساتھ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں اقوام عالم کو تاخت و تاراج کر رہی تھیں گو ان کا نعرہ یہ تھا کہ ہم دنیا کو مہذب بنانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ مہذب بنانے کی اس مہم میں پاک و ہند بھی ان کا ہدف تھا۔ اپنے تہذیبی غلبے اور تسلط کے لیے عورت ان کا نشانہ تھی اگرچہ ہندوؤں اور مسلمانوں نے کافی عرصے تک مزاحمت جاری رکھی مگر مغربی تعلیم اور تجدد پسندوں کے اثرات کے باعث کچھ بیسویں صدی کے نصف آخر میں ذرائع ابلاغ کی عظیم الشان قوت کے بل پر اس خطے کی عورت پر بھی مغرب کے اثرات تیزی سے مرتب ہونا شروع ہوئے اور عہد حاضر میں اس تبدیلی نے کئی منزلیں طے کر لی ہیں۔

موسی خان جلالزئی 'این جی اوز اور قومی سلامتی کے تقاضے' میں بڑا جامع تجزیہ کرتے ہیں:

> "مغرب کی عورت کی طرح اسے بھی گھر کی زینت بننے سے زیادہ محفل کی شمع بننے میں لطف آنے لگا اور ہر بات میں مردوں کی برابری کی جانے لگی۔ تحریک نسواں کے نام پر اٹھے ہوئے طوفان نے مغربی ممالک کے ساتھ ساتھ تیسری دنیا کے ان ممالک کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا جو کہ ابھی اسلام میں اپنی شناخت ہی نہیں کروا سکے ہیں کہ وہ کہاں کھڑے ہیں، ان کی عورتیں بھی مغرب کی خواتین کی دیکھا دیکھی آزادی کا مطالبہ کرنے لگیں۔ مردوں کے ساتھ ان کے شانہ بشانہ کام کرنے میں فخر محسوس کیا جاتا تھا۔"

"بچے دو ہی اچھے" کا نعرہ عام ہو گیا۔ بچوں کو مستقبل کی راہ میں رکاوٹ سمجھا جانے لگا۔ عام عورت پیسہ کمانے کے لیے باہر نکل رہی تھی لیکن طبقہ خاص کی عورت کو بھی کرنے کے لیے کچھ چاہیے تھا۔ اس کے پاس وقت کا بہترین مصرف یہ تھا کہ وہ کلب اختیار کرے اور سماجی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لے۔ ایسی سرگرمیوں کے لیے مختلف غیر سرکاری تنظیمیں سامنے آگئیں جنہوں نے عورتوں کے مسائل پر آواز بلند کی۔ این جی اوز میں بعض شامل خواتین نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ:

> "اگر ہماری دیت آدھی ہے ہماری شہادت آدھی ہے تو پھر ہم نماز بھی آدھی پڑھیں گی۔ روزے بھی آدھے رکھیں گی اور حج بھی آدھا کریں گی۔"[2]

جبکہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس نے عورت کے حقوق کا سب سے زیادہ خیال رکھا ہے۔ مغرب کی وہ عورت جو کہ معاشرے کی ستائی ہوئی ہے، مغرب کے معاشرے میں دوسرے درجے کی شہری ہے، جسے ہر جگہ بے عزت کیا جا رہا ہے۔ برابری کے نام پر اسے گھر اور دفتر دونوں سنبھالنا پڑ رہے ہیں۔

عورتوں کے حقوق:

جب اہل اسلام ہی عورتوں کو اسلام کے عطا کردہ حقوق دینے کے لیے تیار نہ ہوں تو عورت جو نصف انسانیت ہے کسی بھی فتنے اور بیرونی تمدنی و تہذیبی یلغار کے لیے کمزور ہدف بن جاتی ہے۔ اسلام کے نام لیوا معاشرے کے باوجود پاکستان میں خواتین کے ساتھ بے انصافی کا جو رویہ اختیار کیا جاتا ہے اس سے عورتوں میں محرومی کا احساس تو موجود ہوتا ہے اس پر مزید ستم یہ ہے کہ آزاد خیال عناصر بھی اپنے مقاصد کے لیے صنف نازک کو آلہ کار بناتے ہیں اور طرح طرح کے اعتراضات و سوالات خواتین کے ذہنوں میں پیدا کئے جاتے ہیں۔

چنانچہ ذرائع ابلاغ بھی کافی حد تک ان کی کمین گاہ ہیں اس لیے مسلمان عورت کے قلب و ذہن میں آزادی، حریت و مساوات مرد وزن کے خواب مستحکم ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ جن خوابوں سے حقیقی مسائل کا کوئی حل تو ممکن نہ ہو سکے تاہم مسائل کے باوجود معاشرتی وحدت اور یگانگت کی بنیادیں ضرور متزلزل ہو رہی ہیں۔

مغربی معاشرے کی آزاد خیالی کے اثرات کی وجہ سے درج ذیل اعتراضات اور سوالات سامنے آتے ہیں۔

1۔ تعلیم و تربیت میں لڑکیوں کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جاتا ہے۔

2۔ خواتین کو گھر سے باہر نکل کر معاشی جدوجہد کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

3۔ مرد ہی خاندان کا سربراہ کیوں ہے۔

4۔ مرد خود جو چاہے کرتا ہے مگر عورت کو ذرا سی لغزش پر بلکہ بعض اوقات شک کی بناء پر غیرت کے نام پر قتل کر دیتا ہے جبکہ معاشرہ مرد کا ساتھ دیتا ہے۔

5۔ حجاب اور پردہ ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے کیونکہ پردہ کی صورت میں قوم کے آدھے انسانی وسائل عضو معطل بن کر رہ جاتے ہیں۔ اسی طرح حجاب اور پردہ فطری جذبات پر پابندی ہے۔

6۔ مہر کے ذریعے ایک طرح سے عورت کو لونڈی کی طرح خریدا جاتا ہے۔ اور اسے مرد کی باندی بن کر رہنا پڑتا ہے۔

۷۔ صرف مرد کو ایک سے زائد شادیوں کی اجازت ناانصافی ہے۔

8۔ طلاق کا حق مرد کی بالا دستی کو مزید مستحکم کرتا ہے اور اس سے بیوی کا استحصال کرنے میں مرد کے لیے آسانی پیدا ہوتی ہے۔

9۔ عورت کی گواہی یا شہادت آدھی ہونا نا انصافی ہے۔ عورت مکمل ہے اس لیے عورت کو آدھا اور مرد کو پورا کیوں تصور کیا جاتا ہے۔ اسی طرح عورت کی دیت بھی آدھی کیوں ہے۔

10۔ عورت امامت نہیں کرو اسکتی نہ ہی سربراہ حکومت بن سکتی ہے حالانکہ عورت کی صلاحیت سے استفادہ بھی ہونا چاہیے۔

11۔ مجموعی طور پر عورتوں کو وراثت میں حصہ نہیں دیا جاتا اور ویسے بھی وراثت میں مردوں کا حصہ زیادہ کیوں ہے؟

مذکورہ اعتراضات کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ زیادہ تر اعتراضات مغربی فکر اور تہذیب کے زیر اثر کئے جاتے ہیں۔

حقوق نسواں کے علمبردار اور روشن خیالوں کے اعتراضات کی بنیاد مغربی فکر کے اثرات اور مغربی تہذیبی غلبہ ہیں مگر ان اعتراضات اور سوالات کے جارحانہ ابلاغ سے معاشرتی سطح پر تمام لوگوں نے مغربی رنگ کو اگرچہ قبول تو نہیں کیا تاہم آرام اور چین سے رواں دواں معاشرتی و خاندانی نظام میں رخنہ اندازی ضرور ہوتی ہے۔[3]

عورت برائے لذت و کاروبار:

مغرب سے مرعوب اذہان اور اس کی اندھی پیروی کرنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ مغرب ہر فیلڈ میں کامیاب ہے اس لیے اس کی ثقافتی پالیسی بھی صحیح اور کامیاب ہے اور ہمیں اپنی دقیانوسیت اور پرانی پسماندہ عادتیں چھوڑ کر اس ثقافتی پالیسی کو اپنا لینا چاہیے حالانکہ یہ نقطہ نظر سراسر غلط ہے۔

مغرب نے ترقی اس لیے نہیں کی کہ اس کی ثقافتی پالیسی دوسروں سے برتر ہے بلکہ اس لیے ترقی کی ہے کہ وہ اپنے نظریہ حیات سے جیسا بھی ہے مخلص ہے اس کے لیے قربانی بھی دے سکتا ہے، گردن کٹوا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ نظم و ضبط، قانون کی پابندی، محنت و ریسرچ، تعلیم و تربیت، میڈیا، معاشی و سیاسی استحکام اور سائنس و ٹیکنالوجی اس کی ترقی کا سبب ہیں نیز ان کی ثقافتی اور معاشرتی پالیسی مثلاً شراب نوشی، رضامندی سے زنا کی اجازت، ہم جنس پرستی کا قانون بن جانا اور اس کو جائز قرار دینا۔ نکاح کے بغیر میاں بیوی کے طور پر زندگی گزارنے کی اجازت اور خاندان کے ادارے کا خاتمہ، یہ ان کی زندگی کے کمزور پہلو ہیں اور وہاں کے سنجیدہ مفکرین ان کو برابر متنبہ کر رہے ہیں کہ یہ تہذیبی خودکشی

ہے لیکن مادر پدر آزادی کا جو جن بوتل سے باہر آ چکا ہے اب اسے دوبارہ بوتل میں بند کرنا خود ان کے لیے ممکن نہیں ہے اور اب یہ انہیں ڈبو کر ہی رہے گا۔

اس کے برعکس مسلم نظریہ حیات نہ اس مادر پدر آزادی کا قائل ہے اور نہ وہ عورت کو آلہ لذت و کاروبار سمجھتا ہے بلکہ وہ عورت کی عزت و تکریم کرتا ہے اسے نسل انسانی کی افزائش اور نئی نسل کی تربیت کی ذمہ داری سونپتا ہے، گھر چلانے کی ذمہ داری بھی اس کے سپرد ہے۔

ڈاکٹر محمد امین نے لکھا ہے:

> ''عورت' عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں پوشیدہ چیز یعنی جو چیز ظاہر اور نمایاں نہ ہو۔ گویا اسلام میں عورت شمع محفل نہیں گھر کی ملکہ ہے۔ اس کا کام بازار اور فلم میں ڈرامے کی اسٹیج نہیں گھر کی خلوت ہے۔ نیز وہ اسے عفت و عصمت کا درس دیتا ہے۔ بدقسمت ہیں وہ مسلمان جو مغرب کی پیروی کی ترنگ میں مسلمان بہنوں اور بہو، بیٹیوں کو محض سامان لذت اور آلہ کاروبار سمجھتے ہیں۔''[4]

مساوات مرد وزن کا غلط نظریہ

مساوات کے سلسلے میں سیکولر سوسائٹی سے جو نظریہ ہم نے لیا ہے وہ یہ کہ عورتوں اور مردوں کے درمیان مساوات ہے برابری ہے جو کام مرد کرتے ہیں وہ عورتیں کیوں نہیں کر سکتیں یہ نظریہ عملی طور پر چونکہ مغرب میں نافذ العمل ہے لہٰذا مسلم اُمت نے بھی بدرجہ اتم اس کو قبول کیا اور مغرب کے نقش قدم پر چلنے لگے اور اُمت کے نام نہاد دانشور طوطے کی طرح یہ بات رٹنے لگے کہ عورتیں بھی اسی طریقے سے میدان میں نکل کر کام کریں جیسا کہ مرد کا کرتا ہے۔

مولانا وصی مظہر ندوی فرماتے ہیں:

> ''عورت کو یہ سبق پڑھایا گیا ہے کہ تم اپنے تمام فطری فرائض کے باوجود جو فطرت نے تم پر لا ڈالے ہیں میدان میں نکلو۔ مرد کے شانہ بشانہ کام کرو در حقیقت اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ مساوات نہیں بلکہ عورت کے ساتھ ظلم ہے۔''[5]

مزید فرماتے ہیں:

> ''اس دور کے ایک عالم نے بڑی دلچسپ بات کہی ہے کہ پہلے یہ نظریہ تھا کہ عورتیں گھر کے حالات سنبھالے ہوئے تھیں اور گھر کی دیکھ بھال کرتیں اور مرد باہر کے معاملات دیکھتے لیکن

اب یہ نظریہ ہے کہ عورت اور مرد دونوں باہر کے فرائض کو سنبھالیں اور گھر کا کام بازار کے سپرد کر دیا جائے۔ بچے کسی تربیت گاہ میں بھیج دیئے جائیں۔ یہ خالص مغربی تصور ہے اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی خرابیاں معاشرے کو تباہ کر دینے والی ہیں۔"[6]

یہی وجہ ہے کہ دورِ حاضر میں سیکولر زدہ خواتین نے انجمنیں قائم کر لیں اور بے قید آزادی نسواں کے لیے کام شروع کر دیا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے عورت کی زندگی میں انقلاب برپا ہو گیا ہے۔ وہ اسلامی تہذیب کی بجائے مغربی تہذیب کو اپنے لئے وجہ عافیت سمجھنے لگی اور حیا اور ستر پوشی، پاکیزگی، نفس عفت مآبی جیسی اعلی و ارفع نسوانی خصوصیات اس کی نظر میں ہیچ ہو کر رہ گئیں اور بے باکی و بے حیائی کو اس نے اپنے لئے زینہ ترقی و موجب عزت سمجھ کر گلے سے لگایا ہے۔ پردہ اس کے پاؤں کی بیڑی بن گیا اور محاسن جسم کی نمائش اسے نفسیاتی تسکین مہیا کرنے لگی۔ شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری اس کو دقیانوسی اور بوجھ لگنے لگی۔ گھر داری چنداں باعث کشش نہ رہی اور کلبوں اور ناچ رنگ کے دوسرے پروگراموں میں اس کی شمولیت عام ہو گئی۔

سید مظہر علی ادیب لکھتے ہیں:

"وہ کنواری لڑکیاں کہ جو گھروں کے اندر بھی اپنے باپ بھائیوں کے سامنے "میک اَپ" کرتے شرماتی تھیں وہ سر بازار باپ بھائیوں کے ہمراہ پوری زیب و زینت کے ساتھ ناز کرنے کے انداز میں گھومتے پھرتے نظر آنے لگیں۔"[7]

اسی کیفیت کو تربیت نسواں میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"کتنے ہی خاوند اور باپ ایسے ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہیں اور اپنی بیویوں اور بچیوں کو مخلوط مجلسوں اور شرم و حیا سے عاری لہو و لعب کے کلبوں میں بھی لیے پھرتے ہیں اور ستم بالا ستم یہ کہ وہ اپنی آنکھوں سے اپنی بیوی اور بچوں کو دیکھتے ہیں کہ انہوں نے ایسا لباس زیب تن کر رکھا ہے کہ ان کے جسم پر ہوتے ہوئے بھی وہ برہنہ ہی ہیں۔ یہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود ان نام کے مسلمان شوہروں باپوں کے منہ کبھی غیرت سے لال نہیں ہوئے بلکہ انہیں دیکھ کر وہ خوشی اور فخر کا اظہار کرتے ہیں۔"[8]

مذکورہ بالا بیان کردہ معاشرتی حالات کم و بیش تمام اسلامی ملکوں میں ہیں۔ اگر پاکستان کے معاشرے پر نظر دوڑائی جائے تو شیونگ بلیڈ سے لے کر موٹر کار بیچنے تک عورت کو عریاں کیا جاتا ہے۔ اس کی نمائش کی جاتی ہے اور حکومتی سطح پر بھی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ اسلام کا دعوی کرنے والے تمام ملکوں کا یہ حال ہے۔ بدقسمتی کہ کوئی ایک

بھی اسلامی ملک ایسا نہیں جہاں عورت کو محفوظ رکھا گیا ہو۔ یہ سب مغرب کی لادینی اور ملحدانہ سوچ ہے جو اُمت مسلمہ کے معاشرے کے ذہنوں میں اتر چکا ہے۔

5۔مادیت پرستی کے اثرات:

مسلم روایت میں چونکہ ہر فرد کا ہدف آخرت کی کامیابی ہے لہذا دنیا میں ہر قیمت پر آسائشوں اور تعیشات کے حصول کی دوڑ نہ تھی بلکہ مسابقت نیکی کے کاموں میں تھی اس کے برعکس مغربی تہذیب میں چونکہ ہر فرد کا ہدف محض دنیا کی بہتری ہے اس لئے مغربی اثرات کے تحت مسلم معاشرے بھی معیار زندگی کی دوڑ میں شامل ہو گئے ہیں۔ اب ہر آدمی ہر وقت زیادہ سے زیادہ کمانے کی فکر میں لگا رہتا ہے تاکہ اس کا معیار زندگی بلند ہو سکے۔ غریب طبقہ چھلانگ لگا کر متوسط طبقے میں شامل ہونا چاہتا ہے۔ متوسط طبقہ اعلی متوسط طبقہ میں اور اعلیٰ متوسط طبقہ امیر طبقے میں اور طبقہ امراء ہر وقت امیر تر بننے کے لیے کوشاں رہتا ہے۔

دنیا پرستی کا ذہن انسان کو جلد سے جلد امیر بننے کی ترغیب دیتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ راتوں رات امیر بننے کے لئے مسلمان منشیات فروشی، چوری، ڈاکے، قتل و غارت گری، دھوکہ، فریب حتی کہ کسی چیز سے بھی نہیں کتراتے۔ بس کسی نہ کسی طرح دولت ہاتھ آنی چاہیے تاکہ دنیا کی آسائشیں خریدی جا سکیں۔[9]

مغربی تہذیب کی ایک اہم خصوصیت مادیت پرستی ہے۔ اس مادیت پرستی نے بھی مسلم معاشرے پر بڑے گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ مادیت کی اس دوڑ میں کسی نہ کسی حد تک ہر شخص شریک نظر آتا ہے اور حالات کے سامنے ہتھیار ڈالتے ہوئے اپنے مادی مستقبل کو سنوارنے کی کوشش کر رہا ہے تاکہ وہ سوسائٹی میں اپنے بھرم کو قائم رکھ سکے اور غربت و افلاس کے طعنوں سے محفوظ رہ کر زندگی کی سرگرمیوں میں برابر حصہ لے سکے اور کوئی بھی حقارت کی نظر اس پر نہ ڈال سکے۔ ظاہر ہے کہ اس مقصد کو بروئے کار لانے کے لئے مادی وسائل کا سہارا لینا ایک ناگزیر ضرورت ہے۔

رسم و رواج کے بڑھتے ہوئے رجحان کو روکنا جب اپنی کمزوری کا اعلان کرنے کے مترادف سمجھا جاتا ہو اور لوگوں کی نظروں میں پسماندگی کی علامت قرار پاتا ہو تو لازمی طور پر مادی حیثیت سے اپنے آپ کو مضبوط کرنے کا جذبہ دلوں میں پرورش پاتا ہے۔ مادیت پسندی مقصدیت کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور لوگ بے اختیار مادی ترقی کی راہیں ڈھونڈنے لگتے ہیں اور ہر کام کے پیچھے مادی منفعت کا جذبہ کار فرما نظر آنے لگتا ہے۔

مغرب کی اس مادہ پرست تہذیب نے اس رجحان کو عام کرنے میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ مادی منفعت اور تہذیبی ترقیوں کو تمام اخلاقی قدروں اور انسانی عظمت کے پیمانوں پر غالب کرنے کی سعی پیہم میں وہ پوری طرح مصروف ہے۔ جن انسانی معاشروں نے اس تہذیب کو اپنایا ہے اور بلا چون وچرا اس کے سامنے سر تسلیم خم کیا ہے وہی سب سے پہلے اخلاقی زوال کا شکار ہوئے اور ان کی نمائندگی کرنے والے افراد میں حد درجہ جنسی انارکی اور اخلاقی کمزوری کے نمونے پائے گئے۔ انسانی روابط و تعلقات کی بنیاد انسانی قدروں کے بجائے مادی منفعت پر قائم ہوئی اور کامیاب زندگی کا تصور مطلق العنان آزادی کو قرار دیا گیا۔ ایسی صورت حال میں مذہبی تعلیمات اور انسانی احساسات اپنا اثر کھو دیتے ہیں اور مادیت کے تیز رفتار طوفان میں ان کی آواز دب جاتی ہے۔ مادیت پرست انسان جوش و جنون میں وہ سب کچھ کر گزرتا ہے جس کی توقع جنگل کے درندوں سے نہیں کی جاسکتی۔

مادہ پرستی نے نہ صرف مذہب بیزاری کو عام کیا اور پرائیویٹ زندگی کے نام پر انسانی شرافت و ضرورت کا خاتمہ کیا بلکہ مختلف النوع جرائم کی حوصلہ افزائی کی اور انسانی خون کے ساتھ انسان کی سب سے گرانقدر متاع عزت و آبرو کو بھی بے قسمت بنادیا۔ پھر مفاد پرستی کی راہیں ہموار کیں اور قریب ترین خونی رشتوں کو خواہشات نفس کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھادیا۔ باپ اور اولاد کے رشتے اور تمام خاندانی قرابتوں کو حرف غلط کی طرح مٹادیا۔ حقیر ترین مادی فائدے کی راہ میں ایک دوسرے کو قتل کرنا، بے آبرو کرنا، اور ذلت و نکبت کی آخری حد تک پہنچا دینا روز مرہ کا معمول ہو گیا۔(10)

جو لوگ اس مادی تہذیب کی مدح سرائی اور اس کی ثناخوانی کرتے ہیں وہ بھی اس کی قابل تقلید خوبیوں سے عام طور سے آنکھیں بند رکھتے ہیں۔ ان کی تمام تر توجہ ظاہری ٹیپ ٹاپ اور مادی چیزوں پر مرکوز رہتی ہے۔ فسون افرنگ سے مسحور ہو کر وہ اس کے زبردست داعی اور نمائندے بن جاتے ہیں اور ایک کامیاب زندگی کا تصور مادی تہذیب کے ساتھ وابستہ کر دیتے ہیں اس بناء پر ان میں مادیت پسندی اپنی آخری حد تک پہنچ جاتی ہے اور اس کے نتیجہ میں اخلاقی زوال کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اور اپنے ماحول کو اسی نقطہ نظر کا حامی اور گرویدہ بنادیتے ہیں۔(11)

مشرقی ممالک میں خصوصاً برصغیر میں بسنے والے لوگ زیادہ تر احساس کمتری کے دباؤ سے مغرب کی مادہ پرست تہذیب کو رشک کی نظر سے دیکھنے لگے اور آہستہ آہستہ اس کی نقل کا داعیہ دلوں میں پیدا ہوا۔

مادیت کی وجہ سے عوام الناس میں ذہنی تبدیلی آنا شروع ہو گئی۔ مادیت پرستی کا رجحان ترقی کرتا چلا گیا۔ اخلاقی قدروں سے بے اعتنائی برتی جانے لگی اور قدیم تہذیب و معاشرت کے اوپر سے اعتماد اٹھنے لگا۔ ہر قدیم طریقہ کو بدلنے اور جدیدیت کو رواج دینے کی تدبیر میں مختلف طریقوں سے کی جانے لگیں، رہن سہن اور مکان و لباس، کھانے پینے

کے انداز، گفتگو اور عام معمولات زندگی میں مادی تہذیب کا دخل شروع ہو گیا۔ زیادہ کمانے، دولت جمع کرنے، اچھا کھانے اور پہننے اور سوسائٹی میں نمایاں مقام حاصل کرنے کا عمل تیزی سے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ مذہب کی روحانی قدروں سے لوگ بیزار ہو گئے۔ اس پر مستزاد سائنس کی ترقی، علم جدید کا چیلنج اور ایجاد و اختراع میں غیر معمولی پیش رفت انسانوں کے لئے مادیت کی ایک نئی دنیا دریافت کرنے میں بہت زیادہ معاون ثابت ہوئی اور اب سوائے مادیت پرستی اور اس کی راہ میں ہر طرح کی توانائیاں صرف کرنے کے کوئی چارہ کار نہ رہ گیا اور اس راہ میں ایک ریس شروع ہو گئی اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا سلسلہ اس قدر دراز ہوا کہ مادیت پسندی ہی دراصل مقصد زندگی بن گیا۔[12]

1۔ عقیدے میں تذبذب:

مادیت کے اثر سے مرعوب مسلمانوں میں جہاں عقیدے کا ذرا بھی فساد اور معمولی سا بھی بگاڑ رونما ہوا تو فساد اور بگاڑ پوری انسانی زندگی پر چھا گیا اور اسی عقیدے کے بگاڑ نے انسانی زندگی کو تذبذب اور فساد سے ہمکنار کر دیا ہے۔

اسی بارے میں مولانا ابو الکلام آزاد لکھتے ہیں:

"فلسفہ شک و ریب کا دروازہ کھول دے گا اور پھر اسے بند نہیں کرے گا۔ سائنس ثبوت دے گا مگر عقیدہ نہیں دے گا۔ لیکن مذہب ہمیں عقیدہ دیتا ہے اگر چہ ثبوت نہیں دیتا اور ساری زندگی بسر کرنے کے لئے ثابت شدہ حقیقتوں ہی کی ضرورت نہیں بلکہ عقیدے کی بھی ضرورت ہے۔"[13]

مادی تہذیب نے مذہب کو فرسودہ اور غیر ضروری قرار دیا ہے۔ مولانا وحید الدین خاں لکھتے ہیں:

"وہ کیا چیز ہے جو مادی تہذیب نے انسانیت کو دی ہے۔ وہ ہیں جدید طرز کی سواریاں، نئے طرز کے مکانات، نئے قسم کے ذرائع مواصلات اور نئے قسم کے لباس، مختصراً یہ کہ دنیا میں زندگی گزارنے کے لئے ساز و سامان جو پچھلے سامانوں کے مقابلے میں آرام دہ، زیادہ خوش نما اور زیادہ سریع العمل ہیں۔ کیا ان تمام سہولتوں کا مطلب یہ ہے کہ خدا کا وجود بے معنی ہو گیا ہے۔ کیا تار اور ٹیلی فون کے ذریعے خبر رسانی نے وحی اور الہام کے عقیدے کی تردید کر دی؟ کیا ہوائی جہاز اور راکٹ کے ذریعے فضا میں اڑنے کا مطلب یہ ہے کہ آخرت کا اس کائنات میں کوئی وجود نہیں؟"[14]

2۔ اخلاقی پستی:

اخلاق کا سر چشمہ مذہب ہے لیکن انسان کی نظر جب مادی اشیاء تک محدود ہو جاتی ہے تو وہ تمام اخلاقی قدروں کو پس پشت ڈال کر اخلاقی انحطاط و پستی کے گڑھے میں گر جاتا ہے۔ اس بارے میں سید قطب شہید لکھتے ہیں:

"اصل میں لوگوں کو اس حقیقت کا علم نہیں کہ اگر اخلاق کا راستہ ایمان باللہ سے ٹوٹ جائے تو نہ اخلاق قائم رہ سکتا ہے اور نہ کسی قسم کی مزاحمت برداشت کر سکتا ہے۔"[15]

3۔ معاشرہ کی تباہی:

مرد و عورت کے پاکیزہ بندھن سے خاندان اور پھر خاندان سے معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ اچھے معاشرے کا انحصار اچھے افراد پر ہے۔ اسلام نے معاشرہ کو خرابی اور بگاڑ سے بچانے کے لئے حدود و قیود ترغیبات اور ضابطے مقرر کیے ہیں۔

مثلاً شرم و حیاء انسان کی ایسی مخصوص صفت ہے جو اسے "لغزش" کے موقع پر سہارا دیتی ہے اسی شرم و حیاء کا نتیجہ کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

الحیاء من الایمان-[16]

"حیاء ایمان کا حصہ ہے۔"

اسی طرح اسلام میں بد نظری یعنی بے باک نگاہ کی بھی ممانعت ہے کیونکہ فتنے کا چشمہ یہیں سے ابلتا ہے اس لئے جاہلی بے پردگی سے ممانعت حکم حجاب وغیرہ معاشرے کا حسن ہیں۔ سیکولرازم کے اثرات سے جو چیز سب سے زیادہ متاثر ہوتی ہے وہ اخلاقِ انسانی اور نظام معاشرت ہے۔ اگر کوئی یہ مان لے کہ اس دنیا کا کوئی خدا نہیں ہے یا یہ کے مذہب ایک بے کار چیز ہے موت کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے۔ جہاں سے اسے اپنے کئے کا حساب دینا ہو گا تو پھر سوائے حکومتی قوانین یا معاشرتی دباؤ کے کوئی چیز دنیا میں اسے کسی برائی کو اختیار کرنے سے نہیں روک سکتی۔ پھر اس کا مقصد اس دنیا میں زیادہ سے زیادہ دولت اور اس سے لطف اندوز ہونا ہی رہ جاتا ہے۔ جب کوئی انسان مذہب کی حیثیت کو چیلنج کرتا ہے تو پھر ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد ہو جاتا ہے اور معاشرت کو تباہ کرنے والی چیز مرد و زن کا اختلاط ہے اور سیکولر سوسائٹی معاشرت کے باب میں سب سے پہلے مخلوط سوسائٹی کی دعوت دیتی ہے اور یہیں سے معاشرے کا بگاڑ شروع ہوتا ہے۔

مولانا وصی مظہر ندوی فرماتے ہیں:

"کوئی شبہ نہیں کہ عورت اور مرد کے میل جول کی حالت میں نفس انسانی کو بھٹکنے کا موقع ملتا ہے اور شیطان کے لئے دوسروں کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کا غنیمت موقع ہاتھ آجاتا ہے۔ اس لئے اسلام نے اس سے منع کیا ہے۔"[17]

مولانا ابو الحسن ندوی لکھتے ہیں:

"وہ معاشرہ جو ایمان کی بنیاد پر قائم نہ ہو وہ بربادی اور ہلاکت کے پر خطر گڑھے میں پاؤں لٹکائے ہوئے ہے اور ایک بھی معمولی سے اشارے پر اس کا اس میں گر جانا متوقع ہے اور یہ ممکن ہے کہ اس کی مدت کچھ بڑھ جائے یا اس کی طاقت کچھ مزید ابھرے لیکن اس کا انجام بربادی پر ہی ہوتا ہے۔"[18]

مذہب کے بغیر انسان شاہراہ حیات پر بے مقصد چلا جارہا ہے اسے کچھ خبر نہیں کہ اسے کہاں جانا ہے اور یہ سفر کیوں اختیار کیا ہے نہ اس کا کوئی عقیدہ ہے نہ ضابطہ حیات نہ معیار نہ اقدار۔

4۔ خاندانی نظام میں بگاڑ:

مادیت کے زیر اثر معاشرہ بنیادی طور پر فنی معاشرہ بن چکا ہے جس سے خاندانی نظام شکست وریخت کا شکار ہے۔ خاندان کو معاشرہ کی بنیادی اینٹ کہا جاتا ہے لیکن اب یہ اینٹ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ پہلے گروپ اور قبیلہ کی فلاح و بہبود کے لئے مضبوط خاندانی رشتوں کو فیصلہ کن حیثیت حاصل تھی اب ان کی جگہ اجتماعی ادارے لے رہے ہیں۔ خاندانی رشتے اتنے کمزور پڑ گئے ہیں کہ والدین اور اولاد کے تعلقات کی کوئی خاص سماجی اہمیت نہیں رہی۔[19]

منیر احمد الخلیلی لکھتے ہیں:

"مادیت پرستی، جنسی بگاڑ، ہوس ناکی کے جھونکوں نے یورپی اور امریکی معاشرے کے اندر انسانی ہمدردی، مادری و پدری شفقت اور نسوانیت کے وقار اور احترام کو چوس لیا ہے۔ سنگدلی اور حیوانیت بڑھ گئی۔ خود غرضی اور نفس پرستی نے انسان کو ظالم اور سفاک بنادیا ہے، انسان کا دل رحم، تعاون و ایثار اور ہمدردی سے خالی ہوگیا۔ ماں باپ اور اولاد کے معاملے میں بے نیازی ہی نہیں بلکہ بے حسی کی انتہا ہوگئی ہے۔"[20]

6۔ سیکولرازم کے اثرات:

مغرب نے جب سیکولرازم کو عملی طور پر نافذ کرنا شروع کیا تو نو آبادیاتی نظام کے تحت اس کے اثرات تمام عالم اسلام میں پہنچنے شروع ہوئے اور بتدریج بڑھتے گئے یہاں تک کہ نو آبادیاتی نظام کو ختم ہوئے برسوں برس بیت گئے لیکن اثرات کم ہونے کی بجائے پورا عالم اسلام عملی طور پر سیکولرازم کی بھینٹ چڑھ چکا ہے۔

سیکولرازم انسانی زندگی کے اجتماعی امور سے مذہب کو نجی زندگی تک محدود کرتا ہے۔ سیکولر نظام میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ ایک انسان چاہے تو مذہبی تعلیمات اور رسوم پر عمل پیرا ہو سکتا ہے لیکن کسی کو جبراً مذہب اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

چنانچہ سیکولر نظام میں مذہب کی حیثیت اور دائرہ کار پر گفتگو کرتے ہوئے سید مودودی لکھتے ہیں:

"نئے نظام زندگی کے ہر شعبے سے مذہب کو عملاً بے دخل کر دیا گیا ہے اور اس کا دائرہ کار صرف عقیدہ و عمل تک محدود کر دیا گیا۔ یہ بات تہذیب جدید کے بنیادی اصولوں میں داخل ہو گئی کہ مذہب کو سیاست، معیشت، اخلاق، علم و فن غرض اجتماعی زندگی کے کسی شعبے میں بھی دخل دینے کا حق نہیں ہے۔ وہ محض افراد کا شخصی معاملہ ہے۔"(21)

مغربی سیکولرازم کے اثرات سے مسلم معاشرہ مسٹر اور مولوی میں تقسیم ہو گیا ہے یعنی کچھ لوگ مذہبی ہیں اور کچھ غیر مذہبی یعنی دنیا دار۔ اس کا بڑا مظہر ہمارا تعلیمی نظام ہے جہاں دینی تعلیم کے لیے مدرسے ہیں جن میں دنیاوی تعلیم کا گزر نہیں اور جدید تعلیم کے سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں دینی تعلیم و تربیت نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس نظام تعلیم نے معاشرے کو بھی ثنویت میں مبتلا کر دیا ہے اور اسے مذہبی و غیر مذہبی افراد میں بانٹ دیا ہے۔

لوگ نماز پڑھتے ہیں روزے رکھتے ہیں لیکن ساتھ ہی عملی زندگی میں اسلامی احکام پر دھڑلے سے عمل نہیں کرتے اور اس پر ان کا ضمیر ذرا بھی ملامت نہیں کرتا۔ یوں لوگوں نے اپنی زندگی کو دین و دنیا کے دو الگ الگ خانوں میں بانٹ رکھا ہے۔ کچھ مذہبی مراسم ادا کر دیے بس یہ کافی ہے۔ ساری زندگی میں مسلمان ہونے کا تصور اب دھندلا گیا ہے۔ اس کا ایک بڑا سبب مغربی سیکولرازم سے متاثر ہونا بھی ہے۔ جہاں یہ ثنویت غالب اور سکہ رائج الوقت ہے۔

ڈاکٹر محمد امین کی رائے میں اجتماعی سطح پر بھی کچھ اداروں اور جماعتوں کو اسلامی جماعتیں اور اسلامی ادارے کہا اور سمجھا جاتا ہے اور باقی کو غیر مذہبی اور سیکولرز۔(22)

عالم اسلام پر فکر مغرب یعنی سیکولرازم کی یلغار تقریباً سو سال سے جاری ہے نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے عقائد کے تاج محل پیوند زمیں ہوگئے توانائی، جبروت کے سوتے سوکھ گئے اور ہم اپنی ہی تاریخ کے آثار قدیمہ بن کر رہ گئے۔ آج مذہب کا ہر جگہ تمسخر اڑایا جارہا ہے، نسل نو کے ذہنوں میں بغاوت انتشار اور لا مقصدیت کو ابھارا جارہا ہے اور ابن آدم اسیر اضطراب ہے طبیعات، ایجادات، تاریخی انکشافات اور جدید تحقیقات میں آج مغرب کو ساری دنیا کی قیادت حاصل ہے جب کوئی قوم اس مقام پر پہنچ جاتی ہے تو دنیا اس کی ہر ادا کو اپنانے لگتی ہے۔

مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:

”حکومت و فرمانروائی اور غلبہ و ابتلاء کی دو قسمیں ہیں: ایک ذہنی اور اخلاقی غلبہ۔ دوسرا سیاسی اور مادی غلبہ۔ پہلی قسم کا غلبہ یہ ہے کہ ایک قوم اپنی فکری قوتوں میں اتنی ترقی کہ جائے کہ دوسری قومیں اس کے افکار پر ایمان لے آئیں۔ اس کے تخیلات اس کے مقتضیات اس کے نظریات دماغوں پر چھاجائیں۔ تہذیب اسی کی تہذیب ہو، علم اسی کا علم ہو، اسی کی تحقیق کو تحقیق سمجھا جائے اور ہر وہ چیز باطل ٹھہرائی جائے جس کو وہ باطل ٹھہرائے۔ دوسری قسم کا غلبہ یہ ہے کہ اگر کوئی قوم اپنی مادی طاقتوں کے اعتبار سے اتنی قوی بازو ہو جائے کہ دوسری قومیں اس کے مقابلہ میں اپنی سیاسی آزادی کو برقرار نہ رکھ سکیں۔ اس کے مقابلہ میں مغلوبیت اور محکومیت کی بھی دو قسمیں ہیں ایک ذہنی مغلوبیت اور دوسری سیاسی مغلوبیت۔“[23]

صدیوں پہلے اقوام عالم میں یہ رواج تھا کہ فاتح اقوام مفتوح کو جبراً نظام قبول کرواتے تھے لیکن رفتہ رفتہ جبری نظام کی جگہ لادینی نظریات نے لی جو قوموں کے اندر اس طرح سرایت کر گئے کہ وہ اسی نظام میں رچ بس گئے اور اسی کو اپنا نجات دہندہ سمجھنے لگ گئے یہی حال مسلمانوں کا ہوا اور باقاعدہ منصوبہ بندی کے ذریعے مذہب سے دوری کا ٹیکہ ان کی رگوں میں لگایا گیا۔

فاتح بیت المقدس سلطان صلاح الدین ایوبی کے سامنے جرمن نژاد ہرمن جو صلیبی سربراہ تھا گرفتار کر کے لایا گیا تو اس نے کہا:

”محترم سلطان یہ جنگ جو ہم لڑ رہے ہیں یہ ہماری اور آپ کی جنگ نہیں یہ کلیسا اور کعبہ کی جنگ ہے جو ہمارے مرنے کے بعد بھی جاری رہے گی۔ ہم میدان میں نہیں لڑیں گے ہم کوئی فتح نہیں کریں گے۔ ہم کسی قلعہ کا محاصرہ نہیں کریں گے۔ ہم مسلمانوں کے مذہبی عقائد کا محاصرہ کریں گے۔ ہماری لڑکیاں ہماری دولت اور ہماری تہذیب کی کشش جسے آپ بے حیائی کہتے ہیں اسلام

کی دیواروں میں شگاف ڈالیں گے پھر مسلمان اپنی تہذیب سے نفرت اور یورپ کے طور طریقوں سے محبت کریں گے۔"[24]

اکبر الہ آبادی مرحوم نے ان کی اس کیفیت کو اپنے شعر میں یوں بیان کیا ہے:

مشرقی تو سر دشمن کو کچل دیتے ہیں

مغربی اس کی طبیعت کو بدل دیتے ہیں

اس طرح سیکولرازم کی فکر جو مغرب سے اٹھی اس نے اپنے حکومتی نظام و آئینی ڈھانچے، تعلیمی نظام اور معاشرتی و معاشی نظام کو مسلمانوں میں اس طرح سے داخل کر دیا کہ آج انہی کی تقلید کو کامیابی کی کلید سمجھا جارہا ہے۔

i- حکومتی و آئینی نظام پر اثرات:

اسلامی حکومت و سیاست میں بنیادی مسئلہ دستور سازی کا ہے اور اسلامی دستور کی بنیاد ہی قرآن کریم کا یہ فرمان ہے۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ط[25]

"حکم نہیں مگر صرف اللہ کے لئے۔"

یہ آیت صراحت کرتی ہے کہ فیصلہ کرنے کا اختیار اور فرمانروائی کا حق حاکمیت اللہ کے لئے خاص ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنایا اور زمین پر ان کی حکومت کا اصول بیان فرمایا۔

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ.[26]

"اور ان کا آپس کا کام مشورے سے ہوتا ہے۔"

پھر اصول انتخاب کو بیان کیا جاتا ہے۔

إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا-[27]

"اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہلِ امانت کے سپرد کر دو۔"

یہ اسلام کے اصول ہیں جو اسلام نے اسلامی ریاست اور اسلامی ریاست کے خلفاء کے لئے مقرر کیے ہیں۔ اگر اس ایک ایک شق کو سامنے رکھ کر موجودہ اسلامی ممالک کی حالت سے موازنہ کیا جائے تو فرق صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ آج کل تمام اصول کسی بھی اسلامی ملک میں نافذ العمل نہیں ہیں۔

خدا کی حاکمیت کے بارے میں ہی اُمت مسلمہ کے لیڈروں کے ذہن صاف نہیں ہیں۔ مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں:

"ہمارے لیڈر حضرات اس معاملہ میں قرآن مجید کی بجائے بعض مسلمان ممالک کے دساتیر سے الہام حاصل کر رہے ہیں جس طرح بعض مسلمان ممالک کے دساتیر کا آغاز تو خدا کے نام سے ہوتا ہے لیکن خدا کے نام کے بعد جو پہلی سطر شروع ہوتی ہے وہی خدا کے نام کی نفی کرتی ہے اس طرح شاید ہمارے لیڈر یہ بھی سوچ رہے ہیں کہ پاکستان کے دستور کی بسم اللہ تو خدا کے نام سے ہو لیکن اس کے بعد پورا دستور اپنے من مانے اصولوں پر بنا دیا جائے۔"(28)

موجودہ دور ذرائع ابلاغ کا دور ہے چنانچہ جیسی صورت گری کی جائے عوام کے ذہنوں میں وہی تشبیہ ابھرے گی۔ اس لئے اُمت چونکہ مسلم ملکوں میں تقسیم ہوگئی اور مسلم ملکوں میں اتنا تضاد ہے اور ان کی پالیسیاں باہم اتنی مختلف ہیں کہ ان کو الگ الگ اکائی کے طور پر دیکھنا چاہیے ان میں صرف ایک قدر مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ ممالک چاہے جو بھی دعوی کریں وہاں کوئی اسلامی حکومت نہیں بلکہ حقیقی معنوں میں وہ سیکولر حکومت ہے جہاں امریکی، انگریزی اور فرانسیسی دساتیر اور نظام حکومت قائم ہیں اور ان کا نظام قانون انہی سے مستعار ہے۔ مثلاً

افغانستان کا سرکاری نام اسلامی جمہوریہ افغانستان ہے۔ روایتی مسلم ملک رہا۔ خانہ جنگی کے دور سے بھی گزرا پھر ظاہر شاہ کی معزولی اور فوجی انقلاب رونما ہوا۔ روس کی مداخلت سے کمیونسٹ حکومت قائم ہوئی پھر روس کو بھگا دیا گیا اور طالبان نے اسلامی اصولوں کے مطابق حکومت کی کوشش کی لیکن امریکہ نے جنگ شروع کر دی اور حامد کرزئی اور اب اشرف غنی کو صدارت پر بٹھا دیا گیا۔ وسطی ایشیائی ریاستوں میں روسی استعمار قائم ہے جبکہ وہاں اکثریت مسلمانوں کی ہے۔

سعودی عرب میں عدالتی سزائیں تو اسلامی ہیں لیکن نظام حکومت بادشاہی ہے اور اسلام عملاً نافذ نہیں۔ عراق پر صدام کی حکومت کے دوران بعث پارٹی کی حکومت تھی جو غیر اسلامی حکومت تھی اور آج وہاں امریکی استعمار قائم ہے۔

افریقہ میں الجیریا، موریطانیہ، بینن، کیمرون چاڈ یہ سب آبادی کے تناسب کے اعتبار سے مسلمان ملک ہیں لیکن کسی ایک میں بھی اسلامی حکومت قائم نہیں ہے۔ یورپ میں البانیہ 70٪ مسلم آبادی کا ملک ہے جس کو ری پبلک آف البانیہ کہا جاتا ہے یہ دنیا کا واحد ملک ہے جو خود کو لا مذہبی (Atheist State) مانتا ہے جس کا مطلب خدا پر یقین نہیں رکھنا ہے وہاں 1967ء سے تمام مساجد بند کر دی گئی ہیں اور کسی قسم کی مذہبی سرگرمی پر پابندی ہے۔(29)

مذکورہ بالا تمام ممالک اور کلی طور پر اسلامی ممالک میں سیکولرازم کو کسی نے مسلط نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنی پسند اور مذہب سے بیزاری کا ثبوت دیتے ہوئے عملی طور پر اس کو نافذ کیا ہوا ہے۔ ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ کہیں سو فیصد نافذ ہے اور کہیں اس کے اثرات اسی فیصد ہیں۔

ii-معیشت پر اثرات:

انسانی معیشت کے بارے میں اولین بنیادی حقیقت جسے قرآن مجید بار بار زور دے کر بیان کرتا ہے کہ تمام ذرائع و مسائل جن پر انسان کا معاشی انحصار ہے اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور پھر ان پر تصرف کا اختیار بخشا ہے لیکن انسان ان ذرائع کے اکتساب اور استعمال کے معاملے میں نہ تو آزاد ہونے کا حق رکھتا ہے اور نہ اپنی مرضی سے خود حلال وحرام اور جائز و ناجائز کی حدود وضع کر لینے کا مجاز ہے۔ بلکہ یہ خدا کا حق ہے کہ اس کے لئے حدود مقرر کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ-[30]

"اور وہ جھوٹ مت کہا کرو جو تمہاری زبانیں بیان کرتی رہتی ہیں کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔"

مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"اس آیت میں تاکیداً اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ لوگ محض اپنے خیالات اور خواہشات کی بناء پر حلال اور حرام کا فیصلہ کریں۔"[31]

قرآن میں سود کے لئے ربا کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اسلام نے سود کو حرام قرار دیا ہے اور لوگوں کو سختی کے ساتھ اس سے باز رہنے کی تلقین کی ہے۔ لیکن جب سے دنیا نے اپنے دوسرے نظاموں کی طرح معاشی نظام سے بھی خدا تعالیٰ کو خارج کر دیا ہے تب سے تاریخ شاہد ہے کوئی بھی نظام انسانیت کے مسائل نہ حل کر سکا۔ ہر نظام انسان کی بہتری کے لئے بنایا گیا لیکن حقیقی فلاح حاصل نہ ہو سکی۔ آج بھی اسی طرح طبقات میں ایک طرف ظالم ہیں اور دوسری طرف مظلوم ہیں۔ ایک طرف مال وزر میں مست عیاشی کر رہے ہیں اور دوسری طرف غربت کی چکی میں پس رہے ہیں۔

مسلم ممالک اگرچہ واضح طور پر اسلام کے نظام کا انکار نہیں کرتے اور نہ کھلے لفظوں میں مغرب کے لادینی نظام کو اسی نام سے رائج کرنے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ اس کا تھوڑا بہت نام بدل کر پیش کرتے ہیں۔ یورپ نے سوشلزم کا نعرہ لگایا تو انہوں نے اسلامی لفظ کا اضافہ کرکے اسی نظام کو اسلامی سوشلزم کے نام سے موسوم کرنے کی کوشش کی۔

اسلامی سوشلزم کے متعلق عبد الحمید صدیقی لکھتے ہیں:

''ہمارے ملک کا ایک طبقہ اسلام کے ساتھ جو سلوک کر رہا ہے اس کے مطالعہ سے یہ بات پوری طرح کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اگر وہ اس کے انفرادی تقاضوں سے نہیں تو کم از کم اس کے اجتماعی تقاضوں سے ضرور گلو خلاصی حاصل کرنے کا آرزو مند ہے۔ وہ اس مقصد کا اعلانیہ پرچار کرتا ہے لیکن چونکہ قوم ابھی اس پر پوری آمادہ نظر نہیں آتی اور اس بناء پر اس کے اندر قیادت وسیادت قائم کرنے کے لئے اسلام کی محبت کا دم بھرنا ناگزیر ہے اس لئے محتاط راہ ہی معلوم ہوتی ہے کہ کافرانہ افکار و نظریات اور ملحدانہ تصورات کے ساتھ اسلام کو چپکائے رکھا جائے۔ اسلامی سوشلزم کوئی متعین اسلوب حیات نہیں بلکہ اسلام سے فرار اور سوشلزم سے نئی وابستگی کی واضح دلیل ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے کسی گوشہ تشنہ کی تکمیل ہے جن کی تکمیل کے لئے سوشلزم کو اپنانا ضروری ہے۔''[32]

جب کسی مکمل چیز کے ساتھ کسی دوسری شئے کا پیوند لگائیں تو اس کی وجہ بجز اس کے کیا ہو سکتی ہے کہ وہ آپ کے نزدیک ناقص ہے اس وجہ سے باہر سے مانگ تانگ کر اسے مکمل کرنے کی فکر دامن گیر ہے۔

نظام معیشت میں سے اگر صرف سود کو ہی لے لیا جائے تو کوئی اسلامی ملک ایسا نہیں جو اس لعنت سے پاک ہو۔ سود آج کل ہر ملک کے نظام معیشت کا حصہ بن چکا ہے اور کہا جاتا ہے کہ دورِ حاضر میں سود کے بغیر کاروبار چلانا بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ یہ بات بالکل غلط ہے اور ایک غلط نظام کو قائم کرنے کے لیے کمزور قسم کی دلیل ہے صدیوں مسلمان معاشرہ سود کے بغیر بہترین طریقہ پر اپنی معیشت کا سارا کام چلاتا رہا ہے۔

مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:

''اس منحوس دورِ سود خواری سے پہلے کبھی مسلمان سوسائٹی کا یہ حال نہیں رہا ہے کہ کسی مسلمان کا جنازہ اس لئے بے کفن پڑا رہ گیا ہو کہ اس کے وارث کو کہیں سے بلا سود قرض نہیں ملا یا مسلمانوں کی صنعت و تجارت اور زراعت اس لئے بیٹھ گئی ہو کہ کاروباری ضروریات کے مطابق قرض حسن بہم پہنچانا غیر ممکن ثابت ہوا یا مسلمان حکومتیں رفاہ عام کے کاموں اور جہاد کے لئے

اس وجہ سے سرمایہ نہ پا سکی ہوں کہ ان کی قوم سود کے بغیر اپنی حکومت کو روپیہ دینے پر آمادہ نہ تھی۔"[33]

سودی نظام کا سب سے بڑا مرکز بینکنگ سسٹم ہے اور اس کو سپورٹ کرنے کے لئے رہی سہی کسر اسلامی بینکنگ نے نکال دی اور اب پوری دنیا اس نظام کی افادیت کے راگ الاپ رہی ہے اور اس کو مکمل طور پر اسلامی سمجھ لیا گیا ہے۔ جب کہ یورپ کا اپنے ملکوں میں اسلامک بینکنگ کو فروغ دینا ہی عقلی دلیل تھی کہ یہ طریقہ کار اسلامی نہیں جبکہ پاکستان کے اکابر علماء کے فتاوی بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ مروجہ اسلامی بینکنگ کا حکم بھی دیگر سودی بینکوں کی طرح ہے۔[34]

مسلم ممالک کے دساتیر جہاں سودی نظام کے لئے نرم گوشہ رکھتے ہیں وہیں متعدد شخصیات بھی اس کے حق میں تقاریر کرتی ہیں جیسا کہ کچھ عرصہ پہلے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے سابق صدر ممنون حسین نے ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ علماء اس بات کی گنجائش نکالیں کہ سود لیا دیا جا سکتا ہے۔

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اس کا پیغام ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے اس میں جو اصول مقرر ہوئے جو چیزیں حرام کر دی گئیں وہ ہمیشہ کے لیے ہیں ان کے دلائل سے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس وقت (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کو پتہ نہیں تھا کہ فلاں زمانے میں سود کے بغیر کاروبار زندگی نہیں چلے گا ورنہ وہ کہہ دیتا کہ آج سود حرام ہے آئندہ کے لیے یہ ضابطہ نہیں۔

مال و دولت کی حرص و ہوس:

مغرب تہذیب کے اقدار میں عزت کا معیار مال و دولت ہے دولت جمع کرنے کی دوڑ ان کے ہاں لگی رہتی ہے مسلمان بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے حالانکہ مسلم روایت میں عزت کا معیار تقوی ہے۔ قرآن مجید اور احادیث نبوی میں اس بات کو صراحتاً ذکر کیا گیا ہے۔ مغرب کی پیروی میں معاصر مسلم معاشرے نے عزت کا معیار دولت کو بنا لیا ہے اب معزز وہ ہے جس کے پاس کار، کوٹھی، بنک بیلنس اور کارخانے ہیں۔ غریب آدمی کی معاشرے میں کوئی عزت نہیں خواہ وہ کتنا ہی متقی اور پرہیز گار نہ ہو۔ یہاں تک کہ عزیز و اقارب اور رشتہ دار بھی غریب رشتہ دار کو پوچھتے تک نہیں ہیں اور خاندان میں غریب آدمی کی کوئی عزت نہیں ہوتی۔ عزت صرف اسی شخص کی ہوتی ہے جس کے پاس دولت ہے۔[35]

آج کا مسلمان مغرب کی پیروی میں حرص و ہوس کا شاہکار ہو چکا ہے۔ جبکہ مسلم روایت قناعت اور توکل کا درس دیتی تھی۔ مسلم روایت میں دنیا کی محبت گناہ کا سرچشمہ تھی اور ہر آدمی کی نظر فکر آخرت کی کامیابی پر رہتی تھی۔ اب

دنیا ہی منزل ہے اور ہر قیمت پر دنیا میں کامیابی اور آسائشوں کا حصول ہی مقصد زندگی ہے۔ خواہ اس کے لیے ہر اخلاق اور ہر قدر کی نفی ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔[36]

عبدالرشید ارشد لکھتے ہیں:

"یہود و نصاریٰ کی مشترکہ خواہش و کاوش ہے کہ مسلمان کے قلوب و اذہان سے اسلامی اقدار اور شعائر سے محبت کھرچ کر اسے قطعاً بے ضرر انسان کے قالب میں ڈھال دیا جائے اور عورت کو اس مقصد کے لیے استعمال کیا جائے کہ عورت مرد کو نہ صرف موم بناتی ہے بلکہ خود اس کا بگاڑ خاندانوں کا بگاڑ ثابت ہوتا ہے۔"[37]

8۔ مغربی نظام تعلیم کے اسلام پر اثرات:

اسلام کے نظام تعلیم میں نہ مقصود دولت دنیا ہے نہ علمی تفاخر نہ شہرت و معاملات، پیغمبر اسلام ﷺ نے جن مقاصد محمودہ کی ترغیب دلائی وہ یہ تھے۔ خدا کی ناراضگی کا ڈر۔ خدا کی رضا کی طلب۔ فرائض دینی کا علم اور ان کی ادائیگی کا اہتمام نفس یا تعمیر کردار دنیا سے بے نیازی اس کے دین کا احیاء و غلبہ لیکن اس سے یہ ہرگز نہ سمجھا جائے کا اسلام دنیاوی تعلیم کے خلاف ہے یا وہ دوسری قوموں سے استفادہ علم کو ناجائز قرار دیتا ہے۔ بلکہ اسلام ہی علمی بے تعصبی کا سبق دیتا ہے۔

پروفیسر سعید اختر لکھتے ہیں:

"قدیم زمانے میں دنیا کی اکثر و بیشتر اقوام کسی دوسری قوم کے علماء، دانشوروں کے افکار عالیہ سے علمی استفادہ کو پسند نہ کرتی تھیں لیکن سید الانبیاء ﷺ نے اپنی اُمت کو یہ تعلیم دی کہ حکمت مومن کی گمشدہ میراث ہے جہاں کہیں اس کو دیکھے پالے۔"[38]

اب مغرب سے مرعوب زدہ ذہنوں نے جہاں دوسرے نظاموں میں تبدیلیاں کرنی شروع کر دیں وہاں تعلیم کے میدان میں پیچھے نہیں رہے اور تعلیمی میدان میں دین و دنیا کی تفریق پیدا کر دی۔

مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:

"ہمارے نظام تعلیم میں علم اور عقیدہ کی کشمکش جاری ہے مسٹر اور مولوی کی لڑائی اب تک ختم نہیں ہوئی۔"[39]

یورپ نے مشرق میں وہ فلسفے پہنچائے ہیں جو دین کی بنیادوں پر مبنی تھے جن کی بنیاد اس عالم میں کار فرما قوت کے انکار پر تھی وہ باشعور قوت جو اس دنیا کو عدم سے وجود میں لائی اور جس کے دست تصرف میں کائنات کی زمام کار ہے۔ وہ فلسفے جو عالم غیب، وحی، شرائع، سماویہ اور روحانی و اخلاقی قدروں کے انکار پر ملتی ہے یہ تھی مغرب کے لائے ہوئے تمام فلسفوں کی مشترک بنیاد جن میں کوئی علم النفس تھا اور کسی کا موضوع بحث سیاست و اقتصاد "یہ فلسفے اپنے موضوعات و مواد میں خواہ باہم کتنے ہی مختلف تھے تاہم اس نقطے پر سب ملتے جلتے تھے کہ انسان کائنات کو محض مادی النظر سے دیکھیں اور دونوں کے ظاہری احوال کی مادی توجیہہ کریں۔

مولانا ابوالحسن ندویؒ فرماتے ہیں:

> "یہ فلسفے مشرقی اسلامی معاشرے پر حملہ آور ہوئے اور اس کے باطن تک گھس گئے۔ یہ فلسفے سب سے بڑا دین تھے جو تاریخ میں اسلام کے بعد پیدا ہوئے اسلامی ملکوں کا وہ طبقہ جو علم و فہم کے لحاظ سے ممتاز تھا اس دین پر فریفتہ ہوگیا اور اس نے اسے نہایت خوشگواری کے ساتھ حلق میں اتار لیا اور اطمینان کے ساتھ ہضم کر لیا۔ وہ اس دین کا اسی طرح پیرو بن گیا جس طرح اسلام کا پیرو تھا۔ وہ اس پر جان دیتا ہے، اس کے شعائر کی عزت کرتا ہے، اس کے راہنماؤں اور داتاؤں کی عظمت کا کلمہ پڑھتا ہے۔ اپنے ادب اور تالیفات میں اس دین کی دعوت دیتا ہے جو دین جو نظام اور جو طرز فکر اس کے معارضہ ہوتا ہے اس کی تحقیر کرتا ہے۔"(40)

یہی وجہ ہے کہ آج نظام تعلیم میں وہی شعائر جھلکتے ہیں۔ انہی کی پیروی ہوتی ہے۔ تمام اسلامی ممالک میں نظام تعلیم مخلوط ہے۔ کوئی بھی ملک ایسا نہیں جہاں مرد و زن کا اختلاط نہ ہو جبکہ مخلوط تعلیم کسی بھی طرح اسلامی معاشرے کا مظہر نہیں ہو سکتی۔

پروفیسر خورشید لکھتے ہیں:

> "آخر کیا مذاق ہے کہ ایک طرف تو ہم نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو کندھے سے کندھا ملا کر بیٹھاتے ہیں اور پھر ان سے یہ توقع کرتے ہیں کہ ان ہی لوگوں میں خوف خدا اور اخلاقی قوانین کا احترام پیدا کریں۔"(41)

آج کے دور کی سیکولر تہذیب کے سب سے بڑے مفکر جان رالزنے اپنی کتاب Theory Justice میں اس نظام کا نقشہ کھینچا ہے اور اسے جدید مغربی تہذیب پر اتھارٹی سمجھا جاتا ہے وہ لکھتا ہے کہ انسان کی زندگی کے صرف

چار مقاصد ہیں آمدنی، دولت، قوت اور اقتدار یہی چار مقاصد ہیں جو جدید سیکولر نظام تعلیم کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں راسخ کرائے جاتے ہیں۔

سیکولر نظام کا دیا ہوا تحفہ مخلوط نظام تعلیم ہی دراصل تعلیمی نظام کی تباہی کا ذمہ دار ہے۔ اسلامی دنیا میں صرف سعودی عرب ہی مخلوط تعلیم سے محفوظ تھا لیکن 23 دسمبر 2009ء کو کنگ عبد اللہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کے نام سے پہلا مخلوط تعلیمی ادارہ وجود میں آیا جس کو مغربی میڈیا نے شہ سرخیوں کے ساتھ چھاپا کہ اب سعودی عرب میں بھی لڑکیاں تعلیمی اداروں میں اپنی پسند کا لباس پہن سکیں گی۔

مولانا ابوالحسن ندویؒ افغانستان کے تعلیمی نظام کے بارے میں فرماتے ہیں:

"افغانستان جو روایات سے گھری ہوئی تہذیب کا ملک تھا وہاں تو 1959ء میں ہی برقع اُتارنے کے شاہی احکامات دیئے گئے تھے اور یونیورسٹی میں لڑکے لڑکیاں اکٹھے تعلیم حاصل کرنے لگے تھے۔"[42]

مفتی تقی عثمانی انڈونیشیا کی اسلامی یونیورسٹی کا حال لکھتے ہیں:

"جب ایک استاد سے پوچھا کہ اسلامی یونیورسٹی میں مخلوط تعلیم کا کیا جواز ہے تو استاد نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا کہ یہ انڈونیشی اسلام ہے۔"[43]

جس طرح برصغیر پاک وہند میں نظامِ تعلیم کی ثنویت مغرب کی سکیم کے تحت وجود میں آئی اور دین و دنیا دونوں کی تعلیم کی راہیں الگ الگ ہو گئیں اسی طرح جدید تعلیم گاہوں میں دین کا عنصر برائے نام رہ گیا ہے جو کہ قدیم و جدید علوم میں دوری کا باعث ہے۔ لارڈ میکالے نے ہندوستان میں اپنی تعلیمی پالیسی کا اعلان کرتے ہوئے کہا تھا:

"یہ جماعت اپنے رنگ اور خون کے لحاظ سے تو ہندوستانی ہو گی لیکن اپنے ذوق، فکر و نظر اور زبان کے لحاظ سے خالص انگریز ہو گی۔"

ٹھیک اسی طرح عرب ملکوں میں انگریز اور فروغ نو آبادیات کے تحت ایسے نظام تعلیم کی داغ بیل ڈالی گئی جس نے بڑی آسانی سے مسلمانوں کے پڑھے لکھے طبقہ کی ایک بڑی تعداد کا اسلامی تہذیب، اسلامی تاریخ، بلکہ اسلامی فکر و عقیدہ تک رشتہ کاٹ کر رکھ دیا۔

مشہور انگریز مورخ گب کہتا ہے:

"جدید تعلیم اور صحافت نے غیر شعوری طور پر مسلمانوں کو سیکولرازم کی راہ پر ڈال دیا ہے۔ اور بہت تھوڑے عرصہ میں پورا عالمِ اسلام تمام شعبہ ہائے زندگی میں سیکولر ہو کر رہے گا۔"

الغرض تعلیم کے شعبے میں بھی مغربی فکر کے اثرات نمایاں رہے۔ تحریک علی گڑھ کی صورت میں سر سید احمد خان نے جدید تعلیم اور مغربی طرز تعلیم کو مسلمانوں کی نجات کا واحد راستہ قرار دیا۔ جدید تصور تعلیم پر مغربیت کی واضح چھاپ مغرب کے تہذیبی غلبے کے باعث ہے۔ ایک ایسا تہذیبی غلبہ جس نے اپنے عروج کے لئے مذہب عیسائیت کو شکست دی۔ اور اپنے تصورات تعلیم کو سیکولر بنیادوں پر استوار کیا جس میں دین و دنیا کی ثنویت ہی اصل امتیاز تھا۔ جدید تعلیم یافتہ اور قیام پاکستان کے بعد سے آج تک حکمران بھی مغربی تعلیم سے آراستہ ہیں اس لیے مجموعی طور پر مغربی نظام تعلیم ہی کا پاکستانی معاشرے میں سکہ رائج الوقت ہے جس میں اسلامائزیشن کی پیوند کاری کا ہر حربہ اس لیے عبث ہے کہ یہ نظام اپنے خمیر کے اعتبار سے ہی سیکولر ہے۔

اشتیاق احمد گوندل لکھتے ہیں:

> "مغربی طرز فکر میں غیر جانبدار ہونا ہی اصل میں لبرل ازم ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہر شخص کو آزادی حاصل ہونی چاہیے کہ وہ کائنات زندگی اور آخرت کے متعلق خود اپنا نظریہ اور موقف وضع کرے۔ عقیدہ اختیار کرنے بلکہ ایجاد کرنے میں ہر فرد کو آزادی ہو پھر یہ کہ فرد کو کسی مخصوص مذہب اور اخلاق کی تعلیم دینا اس کی شخصی آزادی کے خلاف ہے لہذا نظام تعلیم جیسے موثر رستے سے ایک نظریاتی معاشرے کی نئی نسل کو پہلے مرحلے پر دین و دنیا کی تفریق کا شعور دیا جائے تاکہ دین کا کلی اور اجتماعی تصور ختم ہو جائے پھر جب زندگی کے روحانی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے انسان کو انفرادی اختیار حاصل ہو جائے کہ وہ چاہے تو کسی قانونی واخلاقی بندش کو قبول کرے یا نہ کرے تو یہ وہی فلسفہ حیات ہے جو قبل مسیح میں سوفسطائیوں نے اختیار کر کے یونانی معاشرے کو انتشار میں مبتلا کر دیا تھا۔"(44)

9۔ تربیت پر مغربی فکر و تہذیب کا اثر:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں تعلیم تو ہے لیکن تربیت کا فقدان ہے۔ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ہاں تربیت کا موثر نظام موجود ہے یہ الگ بات ہے کہ وہ اسلامی نہیں ہے۔ جب استاد کو مربی اور معلم اخلاق ماننے کی بجائے ایک تنخواہ دار مزدور تصور کیا جائے تو اسلامی تربیت کیسے ہو سکتی ہے۔ ہمارا تعلیمی ڈھانچہ بچے کو یکسو مسلمان بنانا ہی نہیں چاہتا بلکہ مغرب کا غلام بنانا چاہتا ہے تو وہ یکسو مسلم شخصیت کا حامل کیسے بن جائے۔ مسلم روایت میں مدرسہ تعلیم کا اور خانقاہ تربیت کا ادارہ تھا۔ تصوف کے اس تربیتی ادارے نے ماضی میں بڑی مفید خدمات انجام دیں لیکن دوسرے شعبوں کی طرح اس میں بھی بتدریج زوال آگیا اور غیر اسلامی عناصر اس میں داخل ہو گئے۔

مغربی فکر و تہذیب سے متاثرہ افراد اور حلقے پہلے تو تربیت و تزکیے کو تصوف کے مساوی گردانتے ہیں پھر صوفیاء کے افکار میں سے اپنی مرضی کے مندرجہ تصورات کو بگاڑ کر اور بڑھا چڑھا کر پیش کرتے اور میڈیا کے ذریعے انہیں عوامی سطح پر پاپولر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد امین کے بقول

" مغربی تہذیب و فکر کی تقلید میں تربیت اخلاق کو انسانی شخصیت کی تشکیل کے لئے ضروری خیال نہیں کرتے مادر پدر آزادی نے انسانی تربیت کی ضرورت و اہمیت کو ویسے ہم نے ختم کر دیا ہے۔"[45]

عالم عرب میں مغرب زدگی نے اتنا زور پکڑا کہ عام ادباء و اصحاب قلم کو چھوڑ کر خود وہ زعماء اور قائدین بھی جو مغربی استعمار کے مقابلہ کا نشان سمجھے جاتے تھے مغربی نظام حکومت، نظامِ معیشت وغیرہ کو اسلامی تعلیمات سے قریب تر کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ کسی نے مغربی جمہوریت کو اسلامی نظام کا عنوان قرار دینے کی کوشش کی تو کسی نے اشتراکیت اور اسلام میں ہم آہنگی ثابت کرنے کی کوشش کی۔ بدر الحسن قاسمی کے مطابق اس کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ:

"انگریزوں نے جب ہندوستان میں مسلمانوں سے اقتدار چھینا تو پہلا قدم اسلامی شریعت کے الغا کے لئے اٹھایا گیا اسی طرح جب نپولین نے مصر پر قبضہ کیا تو اسلامی قوانین کا نفاذ ختم کر کے فرانسیسی قوانین نافذ کیے۔ خود ترکی میں جب یہودیوں اور عیسائیوں کی مشترک کوشش کامیاب ہو گئی تو اتاترک کے ذریعے پہلا کام یہ لیا گیا کہ اسلامی قوانین پر خط تنسیخ پھیر کر انگلش قوانین نافذ کیے گئے اور دین کی تعلیم اور عربی زبان میں اذان تک پر پابندی عائد کر دی گئی۔"[46]

لیکن یہ اٹل حقیقت ہے کہ اسلام کی حقانیت کے سامنے باطل ہمیشہ نیست و نابود ہوا۔ آج وہی ترکی نہایت شاندار اور باوقار انداز سے امت مسلمہ کی راہنمائی کرنے کے قابل ہوا ہے اور اسلام کا احیاء ہوا ہے۔

خلاصہ بحث:

مغربی سیکولرازم نے مسلم معاشرے پر بہت زیادہ اثرات ڈالے، سیکولرازم نے کم وبیش زندگی کے ہر شعبے میں اثرات ڈالے۔ مسلمان معاشرے پر مغربی اخلاقی اقدار کے اثرات مختلف جہتوں سے پھیلے۔ مسلمانوں نے لباس، فن تعمیر، تعلیم و ثقافت اور ادب و موسیقی میں مغرب کی نقل اتارنی شروع کی۔ ذہنی اور فکری سطح پر مغرب کے افکار و تصورات سے متاثر ہوئے۔

مغربی مادیت پرستی نے نہ صرف مذہبی بیزاری کو عام کیا بلکہ معاشرے میں مفاد پرستی کی راہیں ہموار کیں، مسلمان مغرب کی پیروی میں قناعت و توکل کی بجائے حرص و ہوس کا شکار ہوئے۔ مغربی تہذیبی غلبے اور یلغار نے عورت کی حیثیت اور اس کے بارے میں اسلامی افکار میں تبدیلی پیدا کی اور عورت کو شمع محفل بنا دیا گیا۔ اسی طرح مغربی تہذیب نے تعلیم و تربیت میں بھی اپنا اثر ڈالا اور ایسی تعلیم عام ہو گئی جس کا مقصد دولت کی کمائی اور خود غرضی و مفاد پرستی رہ گئی الغرض مغرب کے عالم اسلام پر تہذیبی اثرات مرتب ہوئے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات(References)

([1]) نصر، سید حسین، انسان اور تہذیب کا مستقبل، ترجمہ از سید محمد سلیم بحوالہ ماہنامہ افکار معلم، لاہور، بہاول شیر روڈ، 1994ء، ص:11، 12

([2]) جلال زئی، موسیٰ خان، این جی اوز اور قومی سلامتی کے تقاضے، ص:18، 19، بحوالہ پاکستان میں اسلام اور لبرل ازم کی کشمکش از ڈاکٹر اشتیاق احمد گوندل، ص:151

([3]) اشتیاق احمد گوندل، پاکستان میں اسلام اور لبرل ازم کی کشمکش، لاہور: شیخ زاید اسلامک سینٹر، جامعہ، پنجاب، 2011ء، ص:157، 159

([4]) امین، ڈاکٹر محمد، اسلام اور تہذیب مغرب کی کشمکش، ص:181، 182

([5]) اَیضاً

([6]) مظہر علی ادیب، سید، چادر اور چار دیواری، لاہور، ص8

([7]) محمد خالد سیف، تربیتِ نسواں، لاہور، طارق اکیڈمی، 1984ء، ص113

([8]) سعید اختر، پروفیسر، غیر فانی تہذیب، لاہور: بیت الحکمت، 2003ء، ص90

([9]) امین، ڈاکٹر محمد، اسلام اور تہذیب مغرب کی کشمکش، ص:137، 138

([10]) سعید الرحمن اعظمی، اسلام اور مغرب، ص:44-43

([11]) اَیضاً

([12]) اَیضاً، ص:44

([13]) سلیم، پروفیسر محمد، مغربی فلسفہ تعلیم کا تنقیدی مطالعہ، لاہور: ادارہ تعلیم و تحقیق انجمن اساتذہ، پاکستان، ص:27

([14]) وحید الدین خان، مولانا، اسلام اور عصر حاضر، لاہور: مکتبہ رحمانیہ، 2003ء، ص:5

([15]) قطب، محمد، جدید جاہلیت، کراچی: ادارہ معارف اسلامی، 1980ء، ص:159

(16) بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراھیم بن مغیرہ(194-256ھ)۔ الصحیح۔ بیروت، لبنان: دار ابن کثیر، الیمامہ، 1407ھ، ج5، ص2268، الرقم:5767

(17) وصی مظہر الدین ندوی، میثاق، ماہنامہ، لاہور، 1985ء، ص 11

(18) ابو الحسن علی ندوی، مولانا، مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں، ساہیوال: مکتبہ رشیدیہ، 1974ء، ص:48

(19) ماہنامہ تدبر، شمارہ 84، لاہور: ادارہ تدبر قرآن وحدیث، 2004، ص:3

(20) منیر احمد خلیلی، عورت اور دور جدید، لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، 1997ء، ص:54

(21) مودودی، سید ابو الاعلی، اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات، لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، 1990ء، ص299

(22) امین، ڈاکٹر محمد، اسلام اور تہذیب مغرب کی کشمکش، لاہور: بیت الحکمت، 2006ء، ص:139

(23) دیوانی، مشتاق علی، سید، قرآن اور ماضی حال اور مستقبل، لاہور: جسارت پرنٹرز، 1987ء، ص102۔101

(24) اصلاحی، امین احسن، مقالاتِ اصلاح، لاہور: فاران فاؤنڈیشن، 1991ء، ج1، ص13

(25) یوسف، 40:12

(26) الشوری، 38:42

(27) النساء، 58:4

(28) ابوذر کمال الدین، ڈاکٹر، سیکولرزم، بھارت اور مسلمان، دہلی 2009ء، ص87

(29) مودودی، ابو الاعلی، مولانا، معاشیات اسلام، لاہور: اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، 1990ء، ص71

(30) النحل، 116:16

(31) عبد الحمید صدیقی، انسانیت کی تعمیر نو اور اسلام، لاہور: اسلامک پبلشنگ ہاؤس، 1991ء، ص217

(32) مودودی، ابو الاعلی، مولانا، معاشیات اسلام، ص92

(33) مودودی، مولانا، ابو الاعلی، سود، لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، 1997ء، ص74

(34) روزنامہ ایکسپریس 26 نومبر 2015ء

(35) حوالہ سابق، ص:138

(36) ایضاً، ص:138، 139

(37) ارشد، عبد الرشید، پاکستان میں این جی اوز کا اسلام دشمن کردار اور عمر اصغر خان، ماہنامہ عرفات، جامعہ نعیمیہ، لاہور، اگست، ستمبر 2000ء، ص:61

(38) مودودی، مولانا، تعلیمات، لاہور: اسلامک پبلشنگ ہاؤس، 1997ء، ص84

(39) ندوی، ابو الحسن، مولانا، ذہنی اور اعتقادی ارتداد، ملتان، ص6۔5

(40)خورشید احمد، پروفیسر، نظام تعلیم کی تشکیل جدید، لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، 1997ء، ص34

(41)ایضاً

(42) ندوی، ابوالحسن، مولانا، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ، 1982ء، ص192

(43) تقی عثمانی، مفتی، جہان دیدہ، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، 2003ء، ص381

(44) تقی عثمانی، مفتی، جہان دیدہ، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، 2003ء، ص:165،166

(45)امین، ڈاکٹر محمد، اسلام اور تہذیب مغرب کی کشمکش، ص:134، 135

(46)بدر الحسن قاسمی، اسلام اور عصر حاضر، نئی دہلی: ایفا پبلی کیشنز، ط2، 2010ء، ص:295۔299